سورۂ معارج

(مکیہ ہے اور اس میں (۴۴) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا تعلق اور مناسبت صاف ظاہر ہے کہ سورۂ حاقہ میں قیامت کا بیان تھا۔ اس سورۃ شریفہ میں بھی قیامت اور دوزخ وجنت کا بیان ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ سورۂ حاقہ کا تکملہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت شریفہ کا نزول سورۂ حاقہ کے بعد ہی ہوا ہے۔ اس سے ربط و مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ اس سورت کا نام سورۂ مواقع اور سورۂ سَاَلَ بھی ہے۔ یعنی سورت کے ابتدائی کلمے ہی کو اس کا نام قرار دیا گیا۔ جیساکہ عمّ یتساءلون کی سورت بلکہ تمام پارے کو پارۂ عمّ کہتے ہیں۔ یعنی جس سورت یا جزو کی ابتدا عمّ سے ہوئی ہے۔ اسیطرح سورۂ سَاَلَ۔

شان نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اہل مکہ کو عذاب الٰہی کا خوف دلایا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس عذاب کے مستحق کون لوگ ہیں اور یہ کس پر آئیگا۔ سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو۔ انھوں نے

حضور سے دریافت کیا۔ ان میں خصوصیت سے بنی عبدالدار کا ایک شخص نضر بن حارث تھا۔ اس نے تمسخر اور استہزاء کی راہ سے باری تعالیٰ شانہ کی جناب میں عرض کیا:

اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ یا اللہ! اگر یہی دین اسلام تیرے نزدیک حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا دے یا ہمارے ہاں رنج دہ عذاب لا۔" (فریابی، عبد بن حمید، نسائی، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) ابن جریج، سدی، اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔ بعضوں نے ابوجہل، حرث بن نعمان کو جو اشد کفار تھے سائل قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ سب واقعات وقوع میں آئے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کو شان نزول قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ 70-1 70-2
دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ؕ مانگا ایک مانگنے والے نے اوس 70-3
عذاب کو جو کافروں پر ہونے والا ہے، کوئی نہیں اس کو ٹالنے والا، وہ ہوگا اللہ
کی طرف سے جو بلندیوں کا مالک ہے۔

سائل کی تفسیر یعنی ایک مانگنے والے نے ہم سے عذاب مانگا ہے۔ نضر بن
حارث کافر کی شوخی دیکھئے اس کا تمسخر اور استہزاء اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اور لوگ
جہاں ہم سے خیر کی درخواست کرتے اور ہمارے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں،
یہ ہم سے عذاب کی درخواست کر رہا ہے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کافروں
اور منکروں کے لئے ہمارا عذاب مقرر ہے اور اس کا وقوع اپنے وقت پر ہونیوالا
ہے خواہ اس کی درخواست کوئی کرے یا نہ کرے۔ جب وہ آئیگا تو صفحہ ہستی پر
کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کو دفع کرسکے۔ دفع کر دینا اور ٹلا دینا تو بڑی بات ہے
ایک لمحہ اور آن کے لئے بھی اسکو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ عذاب آئیگا اللہ کے پاس سے
اور اس کے حکم سے، جو احکم الحاکمین ہے۔ اس کے بھیجنے اور دفع کرنے کا اختیار

اسی کو حاصل ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہے ذِی الْمَعَارِجِ۔ اونچے چڑھتے درجوں والا
پھر ان درجات کی کوئی حد نہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ 70-4
چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں جس کی درازی پچاس ہزار برس ہے"

فرشتوں کا عروج فرشتے اور روحانیین جن سے تدبیر عالم کے بے شمار کام متعلق ہیں وہ اپنے فرائض اور مشاغل سے فارغ ہو کر اللہ سبحانہ کے حضور میں حاضری دیتے رہتے ہیں تو ان کو درجہ بدرجہ آسمانوں سے عروج کر کے بارگاہ قدس میں پہنچنا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے۔ اور یہ مدارج ان کے مرتبوں کے لحاظ سے مختلف ہیں، نیز ان کی رفتار و پرواز بھی جدا جدا ہے۔ کسی کی رسائی چشم زدن میں اور کسی کی برق کی طرح اور کسی کی آواز اور روشنی کی رفتار کے مطابق ہوتی ہے اور خدا جانے ان کے کیا کیا اور کتنے درجات ہیں۔ اسی طرح قیامت کا دن بھی ہے جو ہمارے پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا، اس دن بھی ان کا عروج جاری رہے گا۔

ارواح مومنین کا عروج یہی حال ارواح مومنین مخلصین کا ہے کہ اپنے ذکر و فکر

ریاضات و مجاہدات، ایمان و عرفان، تقویٰ و طہارت، علم و فضل، طاعت و عبادت کے لحاظ سے ان کے بھی بے شمار مراتب و مدارج ہیں۔ اور ہر آن و ہر لحظہ قرب و وصال کے زینے طے کرتے رہتے ہیں۔ اور روحانی طور پر شرف حضوری سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی قرب اور اقربیت، حضوری و معیت، فنا و بقا وغیرہ اعتبارات سے تفاوت عظیم ہے۔ کسی کی ترقی چشم زدن میں ہوتی ہے۔ جیسے توبہ و انابت یا شہادت فی سبیل اللہ کہ ادھر توبہ کی یا شہادت نصیب ہوئی اور ادھر وصال ہوا۔ مومن کی شان تو نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ایک اشد کافر جو شر البریہ اب تک کہلاتا تھا۔ ادھر کلمۂ اسلام پڑھا اور ساتھ ہی اس کا شمار خیر البریہ کے زمرے میں ہو گیا۔ کسی کی ترقی ایک ساعت میں ہوتی ہے جیسے نماز، کوئی ایک دن میں جیسے پانچ وقت کی نمازیں یا ایک دن کا روزہ یا اعتکاف، کوئی ایک ہفتے میں جیسے نماز جمعہ، کوئی ایک مہینے میں جیسے صیام رمضان، کوئی ایک سال میں جیسے زکاۃ، اور کوئی عمر بھر کے لئے جیسے حج، اس میں قرب فرائض بھی داخل ہے اور قرب نوافل بھی ہے۔ اور قرب و وصال کا یہی سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ اکون سمعہ و بصرہ فبی یسمع و بی یبصر۔ تا آں کہ حق جل وعلا کا ارشاد ہے کہ میں اس کے کان آنکھ ہو جاتا ہوں اور وہ مجھی سے سنتا اور مجھی سے دیکھتا رہتا ہے۔ یہ ہے فنا و بقا۔

یہ سلسلہ بھی تا قیامت قائم رہے گا۔

کفار کی حماقت فرشتے اور روحانیین ایک طرف، اور مومنین مخلصین کی ارواحِ طیبہ دوسری طرف صعود و عروج کے مدارج و معارج جہاں طے کر رہے ہیں کسی کافر کا یہ کہنا امطر علینا حجارۃ من السمآء او ائتنا بعذاب الیم غور کرنے کا مقام ہے کہ کیسی خباثت اور شرارت کا پتہ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم پر پتھر برسائے جائیں یا دردناک عذاب اتارا جائے۔" یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے کفار کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ مانگیں نہ مانگیں۔

خمسین الف سنۃ کی تفسیر پچاس ہزار برس کا دن، جو قیامت کا ہوگا اس میں مفسرین کرام کے اقوال ہیں۔ کسی نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور کوئی اس سے مجاز مراد لیتے ہیں۔ پھر حقیقت پر محمول کرنے والے بعض حسّی اور واقعی قرار دیتے ہیں اور بعض معنوی اور اعتباری تصور کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ والعرب تصف اوقات الشدۃ والحزن بالطول و اوقات الرخاء والفرح بالقصر ومن ذلك قول الشاعر:۔

من قصر اللیل اذا زرتنی ۔۔۔ اشکو وتشکین من الطول

عرب کا محاورہ ہے کہ وہ سختی اور غم کے ساعات کی تعبیر درازی اور طوالت سے

کرتے ہیں اور یہی ساعات، سہولت اور خوشی کے ہوتے ہیں تو وہ اس کی تعبیر کمی اور کوتاہی سے کیا کرتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ نے ایک شاعر کا قول پیش فرمایا جس میں وہ اپنی معشوقہ سے خطاب کر رہا ہے کہ رات کی کوتاہی کا عالم رہتا ہے جب تو مجھ سے ملتی ہے۔ اور جب ہماری ملاقات نہیں ہوتی وہ رات اتنی طویل اور ملول کن ثابت ہوتی ہے جس کی شکایت مجھے بھی رہتی ہے اور تجھے بھی۔"

روز قیامت مومن کے حق میں نیز حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ دن پچاس ہزار برس کا ہوگا تو کیا ہی طویل ہوگا؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔ والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المؤمن حتی یکون اھون علیہ من صلاۃ مکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا۔ (امام احمدؒ، ابن حبانؒ، ابویعلیٰ، ابن جریرؒ، بیہقی) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ دن مومن کے حق میں اس سے بھی زیادہ سہل اور آسان ہوگا جتنا کہ دنیا میں ایک فرض نماز کی ادائی، اس پر آسان تھی۔"

کافر و مومن کا فرق حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:۔ یشتد کرب یوم القیامۃ حتی یلجم الکافر العرق قیل فاین المومنون یومئذ قال

یوضع للمؤمنین کراسی من ذھب ویظلل علیھم الغمام ویقصر علیھم ذلک الیوم ویھون حتی یکون کیوم من ایامکم ھذہ (عبد بن حمید)

قیامت کی سختی بہت ہی شدید ہو گی۔ ایک ایک کافر پسینے میں منہ تک ڈوبا ہوا ہو گا۔ اس پر دریافت کیا گیا، پھر اہل ایمان اس دن کہاں ہوں گے تو فرمایا۔ ایمان والوں کے لئے سنہری کرسیاں بچھائی جائینگی اور ان پر ابر (رحمت) سایہ فگن ہو گا اور وہ دن ان کے حق میں اتنا چھوٹا ہو گا، جیسے تمھارے یہ دن ہیں "

روز قیامت کم سے کم حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ ماقدر طول یوم القیامۃ علی المؤمنین الا کقدر مابین الظھر الی العصر ۔ (ابن ابی حاتم، حاکم، بیہقی) قیامت کے دن کی درازی مومنین کے حق میں اتنی ہی ہو گی جتنی ظہر اور عصر کے درمیان، (یہاں عموماً) ہوا کرتی ہے "۔ اس باب میں اور بھی اسی مضمون کی احادیث شریفہ ہیں۔

عرض فقیر مفسرین کرام کے اقوال ان ہی روایات پر مبنی ہیں۔ کسی نے حقیقت پر محمول کیا اور کسی نے مجاز قرار دیا۔ یا شدت وغم اور فرحت و مسرت کی بنا پر اس کو طویل وقصیر تصور کیا۔ فقیر کے نزدیک جب ارشاد باری تعالیٰ صاف صاف

مقدارہ خمسین الف سنۃ وارد ہے تو اس کو حقیقت پر محمول کرنا ہی اقرب الی الصواب ہے۔ اور احادیث شریفہ جو اوپر مذکور ہوئیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ پھر ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب حقیقی معنی کے تسلیم کرنے میں کوئی محال لازم نہیں آتا تو مجاز کو اختیار کرنے یا کسی تاویل میں پڑنے کی مطلقاً حاجت نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۝ 70-5 70-6 70-7

پس آپ صبر کیجئے، بھلی طرح کا صبر کرنا، وہ دیکھتے ہیں اسکو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک"

صبر جمیل کی تفسیر

صبر جمیل کیا ہے؟ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لا تشکوا الی احد غیری۔ (حکیم ترمذی) جو تکلیف پہنچے اس کی شکایت ہمارے سوا اور کسی سے نہ کیجئے" اور عبدالاعلی بن الحجاج فرماتے ہیں:۔ یکون صاحب المصیبۃ فی القوم لا یعرف من ھو۔ (حکیم ترمذی) مصیبت زدہ سب لوگوں کے ساتھ اس طرح رہتا ہے، پہچانا نہیں جا سکتا کہ وہ مصیبت زدہ ہے حقیقت میں یہ ہے یا اور کوئی" یعنی نہ تو وہ کسی کے آگے اپنی تکلیف کا اظہار کرے اور نہ چہرہ وغیرہ اداس ہو جس سے کسی پر رنج وغم کے آثار نمایاں ہوں۔ باہمہ و بے ہمہ۔

قیامت کا قرب و بعد

کفار قیامت کو بعید بلکہ مستبعد خیال کرتے ہیں، گویا

قیامت کا بیان صرف بات ہی بات ہے حقیقت کچھ نہیں اور اگر کوئی کچھ مانتا بھی ہے تو
وہ کہتا ہے کہ ابھی وہ دن بہت دور ہے۔ مگر اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ بہت قریب
ہے۔ جبھی تو اس کی تعبیر دوسری جگہ غد یعنی کل کے آنے والے دن سے فرمائی گئی ہے۔

حضرت اعمش رضی فرماتے ہیں: ۔ انھم یرونه بعیدا ابتکذ یبهم ونرىٰه
قریبا صدقا کائنا۔ (عبد بن حمید) کفار چونکہ قیامت کی تکذیب کرتے ہیں اسلئے
وہ اس کو دور سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ وعدہ چونکہ سچا ہے اور وقوع میں آنیوالا
ہے اس لئے ہم اس کو قریب ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک ایک دن گزر رہا ہے تو وہ
دن نزدیک ہوتا جا رہا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ 70-8
وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۚ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي 70-9 70-10
مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيهِ ۙ وَصَاحِبَتِهِۦ وَأَخِيهِ ۙ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي 70-11 70-12
تُـْٔوِيهِ ۙ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ۙ كَلَّا ؕ جس دن ہوگا 70-13 70-14
آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا اور ہوں گے پہاڑ (ایسے ہلکے) جیسے اون رنگی ہوئی 70-15
اور نہ پوچھیگا دوست دوست کو سب نظر آتے ہوں گے ان کو چاہیگا گنہگار چھڑائی میں
دے دیتا اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹوں کو اور اپنے ساتھ والی کو اور اپنے

بھائی کو، اور اپنے گھرانے کو، جس میں رہتا تھا، اور جتنے زمین پر ہیں سب کو،

پھر اپنے آپ کو بچا لے ہرگز نہیں "

آسمان کا رنگ دگرگوں آسمان کا رنگ، اس وقت نیلگوں نظر آتا ہے سبزی مائل، جب قیامت ہوگی تو اس وقت پگھلے ہوئے تانبے کی طرح سرخ دکھائی دیگا۔ یہ تغیر علامت اس بات کی ہوگی کہ زمین اور اہل زمین کے احوال بھی بدل جانے والے ہیں، ابتدائے آفرینش سے جو لیل و نہار تھے وہ اب باقی نہیں رہیں گے۔ اب دنیا کا رنگ کچھ اور ہی ہوگا۔ چونکہ تمام آسمانوں کی شکل ایک سی ہے اس لئے یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ میں السَّمَآءُ بصیغہ واحد لایا گیا۔ بعض مفسرین نے المُهل کی تفسیر تیل کی تلچھٹ کے ساتھ کی ہے۔ بہرحال آسمان کا رنگ اس دن بدل جائے گا۔ جو ہم کو نظر آنے والی مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور اتنی مضبوط و مستحکم کہ سالہا سال گزرنے پر بھی اس میں کوئی تغیر نظر نہ آتا تھا۔

پہاڑوں کا تغیر اسی طرح زمین کی مخلوقات میں پہاڑ ہیں۔ یہ بھی بہت بلند و بالا اور میلوں تک ان کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ پھر ایسے مضبوط و مستحکم کہ صدہا حوادث و آفات رو نما ہونے کے باوصف وہ اپنی جگہ قائم و برقرار ہیں۔

لیکن جب قیامت ہوگی تو یہی پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اُڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان کی ثقالت اور بوجھ کافور ہوجائے گا۔ پہاڑوں پر تین قسم کے تغیرات آئیں گے۔ ابتداً یہ پہاڑ ڈھلتی ہوئی ریگ کی شکل میں تبدیل ہوجائیں گے جیسا کہ سورہ مزمل میں ارشاد ہوا ہے :۔ وکانت الجبال کثیباً مھیلا۔ یعنی ہوجائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ہوئے" ثانیاً وہ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے ہوئے دکھائی دیں گے جن کے رنگ مختلف ہونگے۔ اختلاف الوان پہاڑوں کی رنگت مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ سورۂ فاطر میں ہے :۔ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ۔ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ بھی مختلف ہیں اور بھجنگے کالے" سفید رنگ کے پہاڑ ہیں تو ان کی سفیدی بھی مختلف طرح کی ہے۔ بہت زیادہ سفید کچھ اس سے کم کچھ اس سے کم۔ اور جو سُرخ ہیں ان کا بھی یہی حال ہے اور بعض پہاڑ کالے ہیں۔ بعض تو بالکل کالے بھجنگے کوے کے پروں کی طرح اور بعض کچھ کم۔ اسی وجہ سے یہاں جبال بصیغہ جمع لایا گیا۔ روئی بھی کئی رنگ کی ہوتی ہے۔ ثالثاً وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر باریک سفوف بن جائینگے۔ پہاڑوں کی اس حالت کا بیان سورۂ فرقان میں اس طرح فرمایا گیا ہے :۔

فجعلناہ ھبآءً منثورا۔ پھر ہم نے اس کو بنا دیا ذرات کی طرح بکھرا ہوا۔"

انسان کے احوال کا تغیر آسمانوں میں وہ تغیر اور پہاڑوں میں یہ تبدیلی تو اس کا اثر لوگوں پر یہ ہوگا:۔ لَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا۔ ایک دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھیگا" دنیا میں باہم بہت کچھ میل ملاپ تھا۔ اور دوستی کے موقع بڑی گرمجوشی دکھائی جاتی تھی۔ مگر قیامت ہوگی تو دوستوں پر بھی قیامت آجائیگی کہ کوئی بھی ایک دوسرے کو نہیں پوچھیگا کہ تم کس حال میں ہو؟ اس لئے کہ قیامت کی شدت سبھی کو گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس نوبت پر یہ خیال بھی ہوسکتا تھا کہ ایسی کس مپرسی ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور جانتے پہچانتے نہ ہوں۔ تو اس خیال کو بھی دفع کر دیا جا رہا ہے:۔ يُبَصَّرُونَهُمْ۔ کہہ کر۔ یعنی حال یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو وہ دوست باہم دیکھتے ہوں گے" اور وہ دیکھتے بھالتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی مدد کا خیال ان کو نہ ہوگا۔ اور ایسا خیال پیدا ہو تو کیونکر؟ یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ایک دوست محفوظ حالت میں ہو۔ اور جب سبھی پریشان حال ہوں تو مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یعرف بعضھم بعضا و یتعارفون ثم یفر بعضھم من بعض۔ (ابن جریر) ان میں کا ایک ایک دوسرے کو پہچانتا ہوگا۔

یہ اس کو اور وہ اس کو شناخت کرتا ہوگا۔ اس پر بھی وہ اِس سے اور یہ اُس سے بھاگتا ہوگا۔" آگے روزِ قیامت کی ہولناکی کا واضح نقشہ اس طرح کھینچا جارہا ہے کہ دوستی عموماً اجنبی لوگوں میں ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ انسان اجانب کو نہ پوچھے۔ اپنے عزیز و اقارب کو تو کوئی پوچھتا ہوگا۔ اس کا دفعیہ یوں فرمایا جارہا ہے:۔۔۔

کسی مجرم کا فدیہ قبول نہ ہوگا | یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ۔ گناہ گار کی آرزو یہ ہوگی کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے کاش وہ اپنے بیٹوں کو اپنے فدیہ اور بدلے میں پیش کر دیتا۔" وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ اور اپنے ساتھ والی بی بی اور ساتھ کے بھائی کو بھینٹ چڑھا دیتا۔" وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ اور اپنے سارے گھرانے والوں کی بازی لگا کر چھوٹ جاتا جن میں وہ رہتا بستا تھا۔" وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ زمین میں جس قدر بھی جن و انس ہیں ان کو اگر فدیے میں قبول کیا جائے تو ان کو بھی پیش کر دے پھر اس کو نجات حاصل ہو۔" حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں:۔ یتمنّی یوم القیامۃ لو یفتدی بالاحب فالاحب والاقرب فالاقرب من اھلہ و عشیرتہ لتشدید ذلک الیوم۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) قیامت کے دن مجرم کی آرزو ہوگی کہ اے کاش! محبوب سے محبوب تر

اور قریب سے قریب تر کا فدیہ اپنے گھر والوں اور قبیلے والوں میں سے قبول ہوتا۔
ایسی آرزو محض اس دن کی شدت کی بنا پر پیدا ہوگی۔" اور وہ ایسی درخواست بھی
کریگا۔ مگر ارشاد ہو رہا ہے:۔ کَلَّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

مال و زر بھی کام نہ آئیگا

جب گاڑھے دوست سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اولاد
کام نہیں آسکتی، شریک زندگی سے کام نہیں بنتا، بھائی برادر کام نہیں آسکتے۔
روئے زمین کے ماتحت و بالادست کچھ نہیں کرسکتے تو مال و دولت، زر و جواہر،
تخت و تاج وغیرہ بے جان چیزوں کا کیا ذکر۔ اسی لئے یہاں ان چیزوں کا ذکر
نہیں فرمایا گیا۔ ماں باپ کا ذکر بصراحت اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ انسان اپنے
ماں باپ کا فدیہ خود ہوتا ہے۔ اور یہ طریقہ خلاف آداب ہے کہ انسان اپنے
فدیے میں اپنے ماں باپ کو پیش کرے۔ مگر جہاں اولاد کے کارآمد نہ ہونے کا
بیان صراحۃً فرمادیا گیا تو اس کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوچکا کہ جس طرح قیامت میں
اولاد، اپنے ماں باپ کے لئے کارآمد نہیں۔ اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کے لئے
مفید ثابت نہ ہوسکیں گے۔ اس تفصیل کے سن لینے کے بعد روز قیامت کا کٹھن
ہوتا صاف صاف معلوم ہوچکا۔ حدیث شریف میں ہے:۔ یقول اللہ لاھون
اھل النار عذابا یوم القیامۃ لوان لک ما فی الارض من شیٔ اکنت

تفتدی بہ فیقول نعم فیقول اردت منک اھون من ھذا وانت فی صلب آدم ان لا تشرک بی۔ اللہ سبحانہٗ ادنیٰ دوزخی سے قیامت کے دن دریافت فرمائیگا کہ اگر دنیا کی ساری چیزیں میسر ہوتیں تو ان کو کیا اس عذاب کے فدیے میں تو پیش کر دیتا؟ وہ کہیگا۔ ہاں ضرور پیش کرتا۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ جب تو آدم کی صلب میں تھا تو ہم نے چاہا تھا کہ اس سے بھی حقیر اور معمولی فرمائش کو تو قبول کر لیتا۔ وہ یہ کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور بس"۔ مگر تونے اس کو نہ مانا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ کی تفسیر | یَوَدُّ الْمُجْرِمُ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بیان مجرمین، یعنی کفار و مشرکین سے متعلق ہے۔ رہے مومنین، مسلمین، ابرار و متقین، ان کا حکم جدا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔ کیا پھر ہم بنادیں گے اہل اسلام کو مجرمین (مشرکین) کی طرح؟ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ تم کیا حکم لگا رہے ہو؟" یہ بھی ارشاد ہے:۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ تمام اقسام کی سنگتوں والے اس دن، ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز متقین (خدا سے ڈرنیوالوں) کے" کہ وہ اس حکم سے مستثنےٰ ہیں، نیز اس کی تائید احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ بیہقی وقت، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قوله تعالیٰ لا یسئل حمیم حمیما مختص بالکفار، واما المؤمنون فیسالون احما مھم ولیشفعون لھم وقد تواتر فی ذلك الاحادیث بالمعنی۔

(تفسیر مظہری) ارشاد باری تعالیٰ لا یسئل حمیم حمیما کفار کیساتھ مخصوص ہے رہے اہل ایمان، وہ اپنے دوست، اپنے احباب کی حالت دریافت کریں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث شریفہ موجود ہیں جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچتے ہیں۔"

مجرم کی دوسری تفسیر اس کے مقابل مفسرین کرام کا ایک قول یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ لَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا عام ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان، اعمال صالحہ میں کوتاہی اور محض شفاعت اخوان پر تکیہ نہ کریں۔ پھر یہ سفارش اہل ایمان کے حق میں ہوگی۔ کفار کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ نیز شفاعت اخوان کی نوبت نہ معلوم کب آئے۔ اسلئے ہر مومن کو اپنے اعمال کا جائزہ آپ لینا چاہیے۔ یہی محفوظ اور اسلم طریقہ کار ہے۔

اِنَّهَا لَظٰى ۝ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ۚ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ 70-15P 70-16 70-17

وَتَوَلّٰى ۝ۙ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، بھیجہ کھینچ لینے والی 70-18

پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا، اور ذخیرہ کیا اور جتن کر کے رکھا۔"

لظیٰ کی تفسیر لظیٰ آگ کے اس شُعلے کو کہتے ہیں جس میں دھواں نام کو نہ ہو۔ گویا خالص آگ ہی آگ۔ اور شوی جمع ہے شواۃ کی۔ یعنی ہاتھ پاؤں، یا سر کی جلد، اس سے مراد دماغ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دوزخ کیا ہے، خالص آگ جس میں دھویں کا نام و نشان تک نہیں۔ اس آگ سے جب کسی کو سابقہ پڑتا ہے تو وہ اس کے سر کی جلد کو جلاتی اور آن کی آن میں اس کے بھیجے کی خبر لیتی ہے۔ دوزخی اس آگ میں جلتا جاتا ہے۔ پھر اصلی حالت پر عود کر آتا ہے، اس کا یہی حال دوزخ میں رہتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں قبول حق سے پیٹھ پھیرتے اور منہ موڑتے رہے ان کو وہ آگ پکارتی جائیگی کہ چلو ادھر آؤ۔ نیز جن لوگوں نے مال جمع کر رکھا تھا اور اس میں سے حق اللہ تک ادا نہ کیا۔ ان کو بھی اپنی طرف کھینچتی اور بلاتی رہیگی۔ بعض مفسرین نے اس موقع پر یوں فرمایا ہے کہ زبانیہ یعنی دوزخ کے فرشتے ایسے لوگوں کو دوزخ کی طرف آنے کی دعوت دیتے رہیں گے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

یخلق اللہ تعالیٰ فیہا القدرۃ علی الکلام کما یخلقہ فی جلودھم وایدیھم وارجلھم فتنادیھم باسمائھم واسماء آبائھم۔ (روح المعانی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ خود آگ میں قدرت کلام پیدا کریگا جیسا کہ قیامت کے دن انسانی جلد، ہاتھ اور پاؤں لسان قال سے شہادت دیں گے اور صاف وصریح کلام کرینگے اسی طرح آگ بھی گویا ہوگی۔ اور وہ ایک ایک کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لیکر پکارتی جائیگی۔" دیگر روایات میں یہاں تک صراحت آئی ہے کہ نار دوزخ کہیگی الیّ الیّ یا کافر یامنافق۔ او کافر! او منافق!! کہاں جارہا ہے۔ اِدھر آ میری طرف آ۔" اس پر بھی جو خلاف ورزی اور سرکشی و تمرد سے کام لیکر اِدھر اُدھر دوڑتے پھریں گے ان کے متعلق آیا ہے کہ آگ کا ایک شعلہ لمبی گردن کی طرح بلند ہوگا:۔

ثم تلتقطھم کالتقاط الطیر الحب۔ پھر ان کو اس طرح چن کر اٹھالیگا جیسے مرغ دانے کو زمین پر (ریتی اور کنکر کے درمیان) سے بے تکلف اٹھالیتا ہے۔"

صاحبان اموال کا وبال یہی حال مال جمع کرنے والوں اور حق داروں کا حق ادا نہ کرکے دولت سمیٹ کر رکھنے والوں کا ہوگا کہ آگ انکو بھی پکاریگی:۔ الیّ یاجامع المال۔ او مال اکٹھا کرکے جتن کر رکھنے والے! اِدھر میری طرف آ۔"

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ کان جموعاً للخبیث۔ ایسا شخص مال خبیث یعنی حرام مال جمع کر رکھنے والا تھا۔ یا یہ کہ اس کی زکاۃ نہیں دیتا اور مستحقین کے حقوق ادا نہ کرتا تھا اس وجہ سے اس میں خبث آگیا تھا۔ حضرت حکم فرماتے ہیں:۔

كان عبد الله بن عكيم لا يربط كيسه قال سمعت الله يقول جمع فاوعى

(ابن سعد) حضرت عبداللہؓ بن عکیم کی عادت تھی کہ وہ کبھی بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرتے تھے وہ فرمایا کرتے کہ میں نے اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد سنا ہے :۔ جمع کرتا اور جتن کرکے رکھا کرتا تھا۔" تھیلی کا منہ بند کرنا شرعاً ناجائز نہیں مگر یہ حضرت عبداللہؓ بن عکیم کا خوف کمال تقویٰ پر مبنی تھا کہ مبادا یہ صورت بھی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا 70-19 70-20 70-21

عہ الهلع الحرص وقيل الجزع وقلة الصبر وقيل اسوء الجزع وافحشه هلع يهلع هلعا و هلوعا فهو هلع وهلوع .... وقال الفراء الهلوع الضجر وصفته كما قال تعالى اذا مسه الشر جزوعا واذا مسه الخير منوعا ... قال ابو العباس المبرد رجل هلوع اذا كان لا يصبر على خير ولا شر حتى يفعل فى كل واحد منهما غير الحق واورد الآية ...... و فى الحديث من شر ما اعطى المرء شح هالع وجبن خالع اى يجزع فيه العبد ويحزن والخالع الذى كانه يخلع فؤاده لشدته (لسان العرب) ھلع کے معنی لغت میں "حرص" کے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی "گھبراہٹ" کے ہیں اور بعضوں نے کہا "بہت بری طرح گھبرانا اور کھلے طور پر" یہ باب سمع سے آتا ہے۔ اس کا مصدر ھَلَعٌ اور ھُلُوعٌ اور صفت کا صیغہ ھَلِعٌ اور

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۙ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۙ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ 70-22 70-23
دَائِمُونَ ۙ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۙ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۙ 70-24 70-25
وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۙ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ 70-26 70-27
رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۙ بے شک انسان 70-28

بنا ہے جی کا کچا، جب پہنچے اس کو برائی تو گھبرا اٹھے بے صبرا اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو روک رکھنے والا مگر وہ نمازی، جو اپنی نماز کے پابند ہیں، اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے، مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا، اور جو یقین رکھتے ہیں انصاف کے دن پر، اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہیئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) هَلُوعٌ ہے۔ فراء امام ادب نے فرمایا هَلُوعٌ کے معنی "تنگدل" کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بیان فرمایا کہ جب اس کو شر پہنچتا ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اس کو خیر پہنچتا تو ہاتھ روک لیتا ہے۔ امام ادب ابوالعباس مبرد نے فرمایا رجل هَلُوعٌ اس وقت کہتے ہیں کہ نہ وہ خیر پہ ثابت قدم رہ سکتا ہے اور نہ شر پہ صبر کر سکتا۔ دونوں حالتوں میں حق پر قائم نہیں رہتا۔ اور انہوں نے بھی اسی آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ انسان کو سب سے بری چیز جو دی گئی ہے وہ گھبرا دینے والی حرص اور دل چھڑا دینے والی بزدلی ہے جس میں انسان گھبرا جاتا غمگین ہوتا اور اس کی شدت سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

ھلوع کی تفسیر یہاں انسان کی فطرت اور جبلت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ وہ جی کا کچا ہے، جلد باز، بے صبر، غیر مستقل مزاج ہے۔ اگر اس کو اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو تکلیف کے وقت پر وہ بے صبرا، گھبرا جانے والا، تنگ دل ثابت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی کسی کام کا نہیں۔ اور راحت کے وقت جبکہ اس کو اس کی منہ مانگی مراد مل جائے تو وہ ناشکرا پایا جائے گا۔ کفران نعمت کرنے والا۔ ایسے موقع پر مرضیٔ خداوندی کیا ہے اس سے بے خبر غافل، تو اس قسم کے آدمی سے کسی خیر کی امید نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کسی حال بھی اس کو چین نہیں۔ اور انسان کی پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے کبھی اس کو خیر سے سابقہ رہتا ہے اور کبھی شر سے۔ اب جس کی حالت ایسی غیر مستقیم ہو کہ کسی حال اس کو چین نہیں تو وہ کاہے کا انسان ہے؟ شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ کی تفسیر ہاں! چند انواع اس سے مستثنیٰ ہیں:۔ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ "مگر نمازی"۔ یہ پہلی قسم ہے۔ ان میں وہ نمازی داخل نہیں جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑتا ہو، بلکہ مستثنیٰ ایسے نمازی ہیں:۔ اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِہِمْ دَآئِمُوْنَ۔ "جو اپنی نماز کے پابند ہیں"۔ پابندی کے ساتھ پانچوں نمازوں کو

ادا کرتے ہوں۔ اور ادائے کامل وہ ہے کہ جماعت کیساتھ نماز ادا کرے کیونکہ نماز باجماعت ہی فرض ہوئی ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ ارکعوا مع الراکعین یہاں رکوع سے نماز مراد ہے جو جملہ شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کی جائے۔ ذکر البعض و ارادۃ الکل کے قاعدے کے مطابق کہ جزو کا ذکر کر کے کل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور نماز ہی فواحش و منکرات سے انسان کو روکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ یہ تو عبادت بدنی ہے۔

حق معلوم کی تفسیر دوسرے عبادت مالی ادا کرنے والے۔ اَلَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ جن کے مال میں سائل یعنی مانگنے والے کا حق مقرر ہے اور ہارے ہوئے کا بھی۔ اس سے زکاۃ دینے والے مراد ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو صاحب مال بنایا ہے اتنا کہ ان کے جملہ ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی ان کے ہاں نقدی یا چاندی سونا اتنا ہے کہ وہ شرع شریف کے مقرر کردہ نصاب کو پہنچتا بلکہ اس سے زائد ہے پھر کامل ایک سال گزرنے کے باوجود وہ جمع رہا تو اس کا چالیسواں حصہ بطور زکاۃ راہِ خدا میں مستحقین کو دے ڈالتے ہیں۔ یہ دوسری جماعت ہے جو حکم بالا سے مستثنیٰ ہے۔

محروم کی تفسیر مستحقین زکاۃ (نادار) دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو ناداری کے

مانگتے پھرتے ہیں۔ اور اپنی ناداری کا اظہار کرتے ہیں یہ ہیں سائلین۔ دوسرے وہ جو نادار ہونے کے باوجود کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ اور نہ مانگنے کی وجہ سے لوگ ان کو کچھ نہیں دیتے۔ ایسے اصحاب عموماً مالداروں کی داد و دہش سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اسی گروہ کو محروم کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ مگر وہ اللہ سبحانہ کے ہاں محروم نہیں بلکہ اللہ سبحانہ نے ایسوں کو دینے کی ترغیب دی ہے' ان کو دینا اللہ سبحانہ کی کمال خوشنودی کا سبب ہے۔

فطرت نہیں بدلتی نماز کی پابندی کرنے والوں اور زکاۃ دینے والوں' نیز دیگر اوصاف کے حاملین کو جن کا بیان آگے آرہا ہے۔ حکم صدر سے مستثنیٰ قرار دینے کے یہ معنی نہیں کہ جلد بازی' تنگدلی وغیرہ صفات مذمومہ سے یہ جماعتیں بالکل پاک ہوجاتی ہیں؛ ایسا نہیں' اس لئے کہ یہ فطری صفات ہیں اور فطرت بدل نہیں سکتی۔ عارفین فرماتے ہیں:۔۔۔ الشح فی الانسان امر جبلی لا یمکن زوالہ ولکن یتعطل بعنایۃ اللہ تعالی استعمالہ لاغیر فلذلک قال ومن یوق شح نفسہ فاثبت الشح فی النفس الا ان العبد یوقاہ بفضل اللہ وبرحمتہ وقال ان الانسان خلق ھلوعا واصل ذلک کلہ ان الانسان استفاد وجودہ من اللہ فھو مفطور علی الاستفادۃ

علی افادۃ فلا تعطیہ حقیقتہ ان یتصدق او یعطی احدا شیئاً
ولذلک ورد الصدقۃ برھان یعنی دلیل الانسان وقی بھا
شح النفس ۔ کسی کو نہ دینے کی صفت انسان کی فطری بات ہے جس کا دور ہونا
ممکن ہی نہیں البتہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس صفت کا استعمال معطل ہو جاتا ہے
(تو وہ اس وقت کسی کو کچھ دیدیتا ہے) اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے تو
اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ جو کوئی نفس کی نادہندگی سے بچا لیا گیا وہ کامیاب ہوا"
بہر حال نادہندگی انسان کے لئے وصف لازم قرار دی گئی ہے' بندے کا
اس سے بچنا' اللہ سبحانہ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ نے
فرمایا:۔ ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعاً
واذا مسہ الخیر منوعا ۔ انسان جلد باز اور ناصبور بنایا گیا ہے اسکو
برائی پہنچتی ہے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ اور اگر بھلائی پہنچتی ہے تو دوسروں کے ساتھ
خیر کرنے سے باز رہتا ہے۔" (نہ اس کو تکلیف میں صبر نہ راحت میں چین) اصل یہ ہے کہ
انسان اپنا وجود' اللہ سبحانہ سے حاصل کیا ہے۔ تو اس کے ہر کام کی نوعیت
استفادہ اور استحصال پر مبنی ہو گی۔ وہ ہر چیز حاصل کرتا جائے گا۔ استفادہ چھوڑ کر
افادہ یعنی کسی کو کچھ دینا اور فائدہ پہنچانا اس سے نہیں ہو سکتا' بجز اس کے کہ

عنایاتِ الٰہیہ اس کے شامل حال ہو۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا: الصدقۃ برھان۔ صدقہ دینا، دلیل ہے" اس امر کی کہ اللہ سبحانہ نے اس کو نادہندگی کے استعمال سے بچالیا۔"

یومِ جزا کی تصدیق وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ۔ اور اس ناصبوری اور نادہندگی سے مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو یومِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں" یعنی اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم دنیا میں جو کچھ کریں گے، خیر ہو یا شر، ایک دن اس کی جزا ملنے والی ہے۔ اس عقیدے پر جو انسان قائم رہیگا اس کو ہر کام کے کرنے کے وقت سزا و جزا کا خیال دامنگیر رہیگا۔ اور یہ خیال جیسا جیسا پختہ ہوتا جائے گا اسی کے بموجب وہ شر سے محفوظ اور خیر کا عادی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس کے اعمال اس میزان کے مطابق ہوں گے اور فطری ناصبوری اور نادہندگی اس سے دور رہیگی۔ محض تصدیق تو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ صاحبِ فضیلت وہ ہے جس کی تصدیق اس کو آمادۂ عمل کرے۔ یہاں ایسی ہی تصدیق مراد ہے۔ واللہ الموفق۔

خوفِ خدا ہمیشہ قائم رہے اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ۔ بے شک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ کوئی اس سے ایمن، یعنی بے خوف نہیں رہ سکتا۔" مومن کی زندگی خوف و رجا کے درمیان بسر ہوتی ہے۔

وہ جو بھی کرتا ہے دیکھتا ہے کہ میرا یہ کام نیک ہے یا بد؟ اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اگر اس کی مرضی کے مطابق ہے تو وہ اس کو کرتا ہے اور اگر خلاف مرضی ہے تو وہ اس کو نہیں کرتا۔ وہ روزانہ اللہ سبحانہ کی جناب میں اقرار کرتا ہے :۔ نرجوا رحمتك ونخشی عذابك۔ ہم سب آپ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔ جن کا یہ حال ہوگا وہ کیوں کر ناصبوری اور ناد ہندگی سے محفوظ نہ ہوں گے؟ سلف صالحین کے واقعات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی اتباع شرع شریف میں ڈوبی ہوئی ہونے کے باوجود خوف و خشیت الٰہی ان پر اس درجہ غالب تھی کہ وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے :۔ یا لیتنی کنت شجرۃ تعضد۔ کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا" کوئی کہتے :۔ لیت امی لم تلدنی۔ کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی"

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ 70- 29
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ 70-30
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت 70-31
کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں اور اپنی لونڈیوں سے کہ نہیں ان پر کچھ ملامت۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے تو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے"

شرم گاہ کی حفاظت (نیز مستثنیٰ ہیں) وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں اور شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں اگر اپنی بی بی ہو یا اپنی کنیز اور ان سے اپنی شہوت پوری کی تو ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہ نے اسکی اجازت دیدی ہے۔ البتہ جو لوگ ان دو صورتوں کے سوا اور کسی طریق سے قضائے شہوت کریں تو ایسے لوگ اللہ سبحانہ کے بتائے ہوئے حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ زنا کی تو سخت سزا مقرر ہے۔ اور باقی تمام صورتیں نسل انسانی کو ضائع کرنے کی ہیں۔ لہٰذا اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اللہ سبحانہ کو تو منظور ہے کہ نسل انسانی بڑھے خلق خدا سے اللہ سبحانہ کی زمین آباد ہو اور یہ صورتیں اس کی منافی ہیں اللہ سبحانہ محفوظ رکھے آمین۔

چند ضروری مسائل ان آیات کریمہ سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ متعہ شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو فرقے جواز متعہ کے قائل ہیں وہ بھی اپنی ممتوعہ کو زوجہ کی تعریف میں داخل نہیں سمجھتے اور نہ متعہ کرنیسے باہم حق وراثت پیدا ہونیکے قائل ہیں۔ کذا فی التفسیر المظہری۔ اس کے علاوہ اور بھی چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں امام بغوی فرماتے ہیں :۔ وفیہ دلیل علی ان الاستمناء بالید حرام وھو قول العلماء۔ اس آیۃ کریمہ میں اس امر کی دلیل بھی موجود ہے کہ

استمناء بالید (جلق بازی) شرعاً حرام ہے اور یہی قول جمہور علماء کا ہے۔" حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں:۔ سألت عطاء عنہ فقال مکروہ سمعت ان قوما یحشرون وایدیھم حبالیٰ فاظن انھم ھؤلاء۔ میں نے حضرت عطاء تابعی سے استمناء بالید کے باب میں مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا۔ یہ ناپسندیدہ مکروہ فعل ہے میں نے سنا ہے کہ ایک گروہ قیامت میں اٹھایا جائیگا اس حال میں کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ اور میرا گمان ہے کہ وہ یہی لوگ ہیں" حضرت سعیدؒ بن جبیر تابعی فرماتے ہیں:۔ عذب اللہ امۃ کانوا یعبثون بمذاکیرھم۔ اللہ سبحانہ نے ایک امت کو اسی بنا پر عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ اپنے اعضائے تناسل سے عبث بازی کرتے تھے"

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ 70-32 70-33
بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ 70-34 70-35
اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو
نباہتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی
لوگ ہیں باغوں میں عزت سے"

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ	امانت اور عہد کی نگہداشت

(نیز مستثنیٰ ہیں) وہ جو امانت دار اور اپنے قول و قرار میں پکے ہیں۔" امانت وہ جوہر ہے جس کا تحمل آسمانوں، زمین اور بڑے بڑے پہاڑوں سے نہ ہو سکا۔ ایک ضعیف البنیان اور ظلوم و جہول انسان ہی تھا جو اتنی رفیع الشان بلند و بالا مخلوقات کے مقابلہ میں اس کے تحمل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور اس علو ہمت ہی کی بنا پر امانت الٰہی اسکے تفویض ہوئی۔ آیۂ کریمہ انا عرضنا الامانۃ اس کی شاہد عدل ہے۔ اسی طرح عہد پر قائم رہنا، کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسی صفات عالیہ جس کی ذات میں ودیعت ہوں، وہ کچے دل والا 'جلد باز' نہیں ہو سکتا۔

اکابر اولیاء کا ارشاد قال بعض الکبار کل من اتصف بالامانۃ وکتم الاسرار سمع کلام الموتی وعذابھم ونعیمھم کما سمعت البھائم عذاب القبور لعدم النطق ویسمع کلام اعضائہ فی دار الدنیا۔ اکابر اولیاء اللہ کا ارشاد ہے کہ جس میں صفت امانت ہو اور راز دار بنا رہے وہ مرے ہوئے لوگوں کی باتیں، اُن کا عذاب و ثواب سب کچھ سُن سکتا ہے، جیسا کہ چوپائے عذاب قبر کو سنتے ہیں محض اس بنا پر کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر بولتے نہیں۔ نیز وہ اپنے اعضا کی گفتگو اسی دنیا میں سن سکے گا۔"

سیدھی سیدھی گواہی وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ۔ نیز جو لوگ

اپنی گواہیوں پر (راستی کے ساتھ) قائم ہیں۔" یعنی جس امر کے وہ گواہ ہیں پوری پوری گواہی دیتے ہیں، نہ اس میں کسی قسم کی کمی کرتے اور نہ زیادتی، نیز کسی امر میں تغیر یا تبدیل سے کام نہیں لیتے۔ جس چیز کو جس حال میں دیکھا اور جو چیز جس طرح ان کے علم و اطلاع میں ہے اس پر راستی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ ادائے شہادت، یا جرح کے موقع پر ان کے قدم ڈگمگا نہیں جاتے جس قدر بھی اُلٹ پھیر کر ان کو راستی سے ہٹانے کی کوشش کی جائے اسی قدر مضبوطی اور پختگی سے سیدھی سیدھی شہادت دیں گے ایسے اصحاب بھی کچے دل والے، جلد باز نہیں ہو سکتے۔

یحافظون کی تفسیر | وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔

نیز وہ لوگ جو اپنی نماز سے خبردار ہیں۔" اس مضمون کے آغاز پر ارشاد ہوا تھا۔ الا المصلین الذین ھم علی صلاتھم دائمون۔ کچے دل والے ناصبور اور نادہندوں سے مستثنیٰ ہیں، وہ نمازی جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں۔ اور ہمیشہ اس کو وقت پر ادا کرتے رہتے ہیں۔" اور یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ اس پابندی کے علاوہ ان کی نمازوں کا یہ حال ہے کہ اس کے شروط، ارکان، واجبات اور سنن، و مستحبات کو نگاہ رکھتے، اور مکروہات و مفسدات وغیرہ سے بچتے رہتے ہیں۔ خشوع و خضوع، حضورِ قلب، اور یہ تصور کہ وہ رب العلمین کے حضور میں کھڑے ہیں

اس کو دیکھ رہے ہیں۔ یا یہ کہ وہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ یہ صفت جن کی نماز کی ہو ان کی نمازوں کا کیا پوچھنا۔ جبکہ نماز معراج المومنین، اور مناجات از رب العلمین ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے تو نماز ہے بھی اس قابل کہ اس کی اس طرح حفاظت کی جائے۔

نماز کی اہمیت بہرحال ناصبوری، نادہندگی، جلدبازی، اور دل کی خامی سے مستثنیٰ رہنے والوں کا بیان نمازیوں ہی سے شروع ہوا تھا۔ اختتام بھی انھیں پر ہو رہا ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ جب اس دار فانی سے پردہ فرما رہے تھے تو آخری کلمات جو زبان فیض ترجمان پر تھے وہ یہی تھے:۔ الصلاۃ وما ملکت ایمانکم۔ نماز کا خیال رکھو اور باندی غلاموں پر شفقت کرو"۔ الغرض یہاں آٹھ صفات بیان ہوئے ہیں اور اول و آخر میں نماز پر زور دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک نماز کا کیا درجہ ہے۔ اور حضرت شارع علیہ السلام کو اس سے کیا تعلق خاطر ہے؟

امت مرحومہ کی صفت انبیائے سابقین کے پاس حضرت قتادہ رض فرماتے ہیں:۔

ذکر لنا ان دانیال نعت امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال یصلوت صلاۃً لوصلاھا قوم نوح ما اغرقوا وعاد ما ارسلت علیھم الریح العقیم اوثمود ما اخذتھم الصیحۃ قال قتادۃ فعلیکم بالصلاۃ فانھا خُلق من خُلق المؤمنین حسن (عبد بن حمید وابن المنذر) ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت دانیال پیغمبرؑ نے حضور اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ لوگ نماز پڑھتے رہیں گے۔ اگر یہ نماز قوم نوحؑ پڑھتی ہوتی تو وہ اس طرح غرق نہ کی جاتی، اور اگر قوم عاد اس کی پابند ہوتی تو ان پر آندھی مسلط نہ ہوتی، اور اگر قوم ثمود نمازی ہوتی تو زلزلے کے عذاب میں وہ گرفتار نہ ہوتی۔ اس کے بعد حضرت قتادہؓ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ لہٰذا تم نماز کے پابند بنے رہو کیونکہ نماز کی عادت ایمان والوں کی بہت ہی اچھی عادت ہے۔"

مذکورہ صفات والوں کا مقام

اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ۔ ان صفات کے حاملین باغوں میں ہوں گے عزت سے۔" یعنی نماز[1] پڑھنے والے پابندی کے ساتھ، اور زکاۃ دینے والے[2] مستحقین کو، اور روز جزا[3] پر یقین رکھنے والے ایسا یقین جو ان کو آمادہ عمل کرتا ہو، اور اپنے رب[4] کے عذاب سے ڈرتے رہنے والے، اور اپنی شرم[5] گاہوں کی حفاظت کرنے والے یعنی اللہ سبحانہ کے

حدود جو اس باب میں مقرر ہیں ان سے تجاوز نہ کرنے والے' اور اپنے امانات اور
عہد کو نگاہ رکھنے والے' اور سیدھی سیدھی شہادت دینے والے' اور بحالت نماز اسکے
آداب کی حفاظت کرنے والے' یہ جملہ آٹھوں گروہ' جنتوں میں عزت کیساتھ ہونگے-
ایسے اصحاب "ھلوع" کچے دل کے' جلد باز' نادہند نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ اولوالعزم
اور عالی ہمت لوگ ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفات اختیار
کئے جائیں تو فطری خامی اگر دفع نہ بھی ہو تو' جلد بازی اور ناصبوری کے جذبات
ماند پڑ جائیں گے اور اس کا ضرر پہنچنے نہ پائے گا۔ وھو المطلوب۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ عَنِ الْيَمِيْنِ 70-36
وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ 70-37 70-38
جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۙ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ پھر کیا ہوا ہے 70-39

منکروں کو کہ آپ کی طرف دوڑے ہوئے آتے ہیں، داہنے سے اور بائیں سے غول کے غول، کیا لالچ رکھتا ہے ہر ایک شخص ان میں کا کہ وہ داخل کیا جائے گا نعمت کے باغ میں، ہرگز نہیں، ہم نے ان کو بنایا ہے اس سے جسکو وہ بھی جانتے ہیں۔

عزین کی تفسیر

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں: ـــ دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد ونحن حلق متفرقون فقال مالی ارٰکم عزین۔ (عبد بن حمید، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن مردویہ) ہم مسجد نبوی میں اپنے اپنے حلقے جدا جدا بنا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ـــ تم کو کیا ہو گیا کہ جدا جدا حلقے بنا کر الگ الگ بیٹھے ہوئے یعنی یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اہل ایمان کی عادت یہ ہونی چاہیئے کہ ان کی ایک مجلس ہو اور سب مل کر اس میں شریک رہیں۔

قرآن کے ساتھ کفار کا طرز عمل

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی آیات سنایا کرتے تو بیشتر سے جو کفار مجلس مبارک میں موجود رہتے وہ قرآن کریم اور خود

حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا مذاق اڑاتے۔ پھر داہنے بائیں طرف سے بھاگ جاتے۔ اور جو اس وقت پہلے سے نہ ہوتے تو آپ کی تقریر شروع ہوتے ہی داہنے بائیں سے دوڑے دوڑے آتے۔ پھر اس کا استہزار کرتے۔ نیز یہ کہ جنت کا بیان سن کر کہتے کہ اس کے مستحق تو ہم ہی ہیں۔ اللہ نے جب ہم کو یہاں آپ کے مقابلہ میں خوشحال رکھا ہے تو آخرت میں (اگر وہ حق ہے) تو ہم کو وہاں بھی آپ سے اچھی حالت میں رکھے گا۔ اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کی جہالت اور احمقی قابل دید ہے کہ حصول جنت کا جو صحیح طریقہ ہے اس سے تو یہ بھاگتے رہتے ہیں۔ پھر اس وحشت اور نفرت کے باوجود یہ آرزو بھی ہے کہ نعمت والے باغوں میں داخل کئے جائیں۔ یہ خیال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اللہ سبحانہ تو حکیم و عادل ہے۔ حکمت و عدالت کا اقتضاء یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن اور کافر' مطیع اور عاصی' حق ماننے والا اور باغی' دونوں برابر ہو جائیں۔ ہم نے انسان کو جس چیز سے بنایا ہے یعنی سڑی ہوئی مٹی یا قطرہ آب سے جس سے گھن آتی ہے۔ حقیقت انسانی تو اسی قدر ہے۔

حصول قرب کا طریقہ اب انسان کا فریضہ ہے کہ اگر وہ قرب الٰہی کا آرزو مند ہے تو اپنے آپ کو اس کے قابل بنائے۔ اسی پاک مقصد کی خاطر' خدائے رؤف و رحیم نے اپنی فیاضی سے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل کیں' اور وہ طریقے بتلائے

جس سے اپنا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی یہ چاہے کہ اس کی گندگی دفع ہو یا قرب الٰہی یوں ہی حاصل ہو تو یہ خیال خام ہے :۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

حضور انور کی ایک تمثیل حضرت بشیرؓ فرماتے ہیں :۔ قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الآیۃ ...... ثم بزق علی کفہ ووضع علیھا اصبعہ وقال یقول اللہ ابن آدم انّی تعجزنی وقد خلقتک من مثل ھذا حتی اذا سوّیتک وعدلتک مشیت بین بردین وللارض منک وئید فجمعت ومنعت حتی اذا بلغت التراقی قلت اتصدق وانّٰی اوان الصدقۃ (بیہقی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی (جو اوپر مذکور ہوئی) پھر اپنی ہتھیلی انور پر لعاب مبارک لگایا اور انگشت پاک اس پر رکھ کر (اشارہ کرکے) فرمایا :۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ابن آدم ! تو مجھے کہاں عاجز کرسکتا ہے ؟ درحالیکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے بنایا پھر تیرے جملہ اعضاء وجوارح درست کیے پھر بھلا چنگا انسان بنا کر کھڑا کیا۔ اب تو دو چادریں زیب تن کرکے چلنے پھرنے لگا (لنگی زیر و لنگی بالا) زمین میں اپنے خزانے دفن کرنے لگا۔ دولت جمع کرتا جاتا ہے پر کسی کو دیتا نہیں۔ تا آنکہ گدڑی میں

جان رہ گئی (اور عالم آخرت تجھ پر کھل گیا) تو کہنے لگا کہ یہ تمام دولت خیرات کر دیتا ہوں، اب خیرات کا کونسا موقع رہ گیا ہے؟"

خیر میں تاخیر نہیں مطلب یہ ہے کہ خیرات کرنا ہو، یا عمل صالح کرنا ہو، ایمان لانا ہو، یا آخرت کا خیال کرنا ہو اس کا وقت آج ہی ہے بلکہ اب اور ابھی۔ اس کے بعد کیا ہونے والا ہے اس کی خبر نہیں۔ اگر اس موقع کو جو حاصل ہے غفلت میں گزار دیگا اور وقت اخیر آن پہنچا تو حسرت و ندامت ہی رہیگی۔ لہذا آخرت کیلئے جو کچھ کرنا ہے اس کو کر گزرو تا کوئی پچھتاوا نہ رہے۔ یہ تو خیرات کا ارادہ رکھنے والوں کا حال ہوا۔ رہا وہ جو آخرت ہی کا منکر ہے اس کا کیا حشر ہو گا سمجھ لیجئے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَالۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ۙ﴿۴۰﴾ عَلٰۤی 70-40
اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۴۱﴾ پس میں قسم کھاتا ہوں 70-41
مشرقوں[1] اور مغربوں کے مالک کی تحقیق ہم قادر ہیں کہ بدل کر لے آئیں ان سے بہتر اور ہمارے قابو سے نکل نہ جائیں گے"

[1] حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ للشمس کل یوم مطلع تطلع فیه و مغرب تغرب فیه غیر مطلعها بالامس و غیر مغربها بالامس (سعید بن منصور، عبد بن حمید)

ماضی و حال کی تبدیلی سے استقبال کی تبدیلی پر استدلال

یعنی جب یہ معلوم ہو چکا کہ انسان مٹی اور پانی سے بنایا گیا ہے جس کو مختلف اشکال میں تبدیل کیا جاتا رہا تو رب المشارق والمغارب کی قسم ہے (جو ہر روز آفتاب کو ایک نئے مشرق سے نکالتا اور نئے نقطۂ مغرب میں اس کو غروب کرتا رہتا ہے) ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ (اگر مکہ والے آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو آپ کی رفاقت کے لئے) ان کو بدل کر ان سے اچھے لوگوں کو لائیں اور ایسا کرنے میں ہم پیچھے نہیں رہ جائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ مکہ سے ہجرت کرکے اپنے رفقائے مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور ہر موقع پر دامے' درمے' قدمے' سخنے' آپ کی اعانت اور نصرت' صدق دل سے کرنے کے علاوہ' ہر معرکہ اور میدان کارزار میں اپنی اور اپنی آل و اولاد کے جان کی بازی لگادی' نیز مدۃ العمر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن المنذر' ابن جریر' ابن ابی حاتم) آفتاب کا روزانہ ایک نیا مقام طلوع ہے جس میں وہ طلوع کرتا ہے اور ایک نیا مغرب ہے جس میں وہ غروب ہوتا ہے۔ آج کا مطلع کل نہ تھا اور آج کا مغرب بھی کل نہ تھا۔"

یا ہر ستارے کا نقطۂ طلوع و غروب مراد ہے جو ایک دوسرے سے جدا ہے۔ اس لئے مشارق و مغارب بصیغہ جمع ارشاد ہوا۔

آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔ آمین۔ اسی طرح ہم ان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي 70-42
يُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ 70-41
نُصُبٍ يُوفِضُونَ ۝ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ 70-43
الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ ع ۲/۹ 70-44

بس چھوڑ دیجئے ان کو کہ باتیں بناتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ پالیں اس دن کو جس کا ان سے وعدہ ہے۔ جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے تیزی سے جیسے کسی نشانی پر دوڑے جاتے ہیں۔ جھکی ہونگی ان کی آنکھیں، چڑھی آتی ہوگی ان پر ذلت، یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔"

نکموں سے اعراض انسان کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور دین اسلام عملی دین ہے مگر کفار مکہ کام سے جی چرا کر نکمے بنے رہنا چاہتے تھے۔ نکما انسان کام تو نہیں کرتا بلکہ باتیں بناتے رہتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ان نکموں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے کہ وہ کام چھوڑ کر صرف باتیں بناتے رہیں۔ اور دنیا کے لہو ولعب میں مبتلا رہکر اپنی عمر عزیز یوں ہی گنوالیں۔ قیامت کا دن، جس کی یاد دہانی بار بار کیجاتی رہی ہے

اپنے وقت مقرر پر آرہیگا۔ یہ وہی دن ہوگا جب تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل کر بیت المقدس میں جمع ہوں گے جہاں حضرت اسرافیل علیہ السلام مقام صخرہ پر کھڑے ہوئے صور پھونکیں گے۔ اور سب لوگ اس آواز کی سمت تیزی سے دوڑتے چلیں گے جیسے کوئی فوج اپنے علم کے نیچے اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یا جیسے بت پرست صبح اٹھتے ہی اپنے بتوں کے پاس پہنچنے کے لئے تیزی دکھاتے اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے ہیں۔ یا کوئی شکاری' جال بچھا کر دور کھڑا ہوا اس کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ شکار اس میں پھنس گیا ہے تو وہ تیزی سے اس کی طرف دوڑتا ہے تاکہ شکار کہیں بھاگ نہ جائے۔ ٹھیک اسی طرح سب لوگ قیامت کے دن قبروں سے نکل کر صور کی آواز کی طرف دوڑے جائیں گے۔ مگر کافر جو قیامت کے منکر تھے اب اس کو برحق دیکھ کر ذلت کے ساتھ' شرمندگی سے سر جھکا کر افتاں و خیزاں وہاں پہنچیں گے۔

یوم الکافرین و یوم المومنین ارشاد ہو رہا ہے کہ یہی تو ان سب کا دن ہے جس کا وعدہ ان سے دیا جا رہا یہ یوم الکافرین ہے۔ کافر جو اس دن کے منکر تھے جب اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ صور کی آواز پر دوڑیں گے مگر ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور مارے شرم و حسرت کے انکی گردنیں جھکی ہونگی۔ یہاں یہی کا بیان ہے۔ مگر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ یوم المومنین بھی ہے کیونکہ مومن جو اس دن کو مانتا تھا وہ بھی دوڑیگا اس لئے کہ

اللہ سبحانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اہل ایمان سے جو جو وعدے کئے تھے آج ان کے ایفاء کا وقت آچکا ہے۔ مومن کو ندامت اور شرمندگی تو نہ ہوگی لیکن اس امر کی حسرت رہیگی کہ اس نے ایمان کے ساتھ جو عمل صالح کیا تھا اس کی جزا یہ نعیم مقیم ہے۔ اگر اس سے زیادہ عمل کرتا ہوتا تو اس سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا۔ مگر اس وقت عمل کا کوئی موقع نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ معارج کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ۔ دوشنبہ